اپنی تبلیغ میں وہ کردار پیدا کریں جس کردار کو آپ الٰہی صفات کی جھلک قرار دے سکتے ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 7 /جون 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ (حٰمٓ سجدہ:34)

پھر فرمایا:

اور اس شخص کے قول سے زیادہ خوب صورت کس کا قول ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے مگر شرط یہ ہے کہ خود نیک اعمال بجالانے والا ہو اچھے اعمال کے نمونے دنیا کے سامنے پیش کرے پھر یہ کہے وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اور کہے میں تو مسلمان ہوں، مسلمانوں میں سے ہوں۔

یہ وہ آیت کریمہ ہے جس کے متعلق میں نے ہالینڈ کی جماعت کے سالانہ اجلاس سے خطاب کیا تھا اور یہ وہ آیت کریمہ ہے جس کے پہلو لامتناہی ہیں، جو ختم ہوتے ہی نہیں۔ اس پر آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں آپ کو مزید اس کے گہرے راز دکھائی دینے لگتے ہیں اور وہ موتیوں کی طرح چمکتے ہیں اور ماحول کو روشن کر دینے کی طاقت رکھتے ہیں اور اس آیت کا تعلق ہی ماحول کو روشن کرنے سے ہے۔ دعوت الی اللہ کے مقاصد بھی بیان ہوئے، اس کے طریق بھی بیان ہوئے، اس کے سربستہ راز بھی اس میں کھولے گئے اور ہر اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کی ایک داعی الی اللہ کو ضرورت پیش آتی ہے۔ آج کل چونکہ دعوت الی اللہ کا کام دنیا میں زوروں پر ہے کیونکہ اس دعوت کا نتیجہ ہمارے جلسہ سالانہ UK کے اختتامی دن میں نکلتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے یہ روایات بن

رہی ہیں کہ جتنے بھی تمام نئی بیعت کر کے جماعت میں داخل ہوتے ہیں ان کو اس آخری روز یہ موقع دیا جاتا ہے کہ وہ ٹیلی ویژن کے ذریعے عالمی بیعت میں شامل ہو جائیں اور یہ درست ہے کہ سب کے لئے تو ناممکن ہے مگر ان کے نمائندے ضرور دنیا کی ہر قوم میں سے، ہر ملک میں سے، ہر فرقے میں سے نمائندگی کے ذریعے بیعت کرتے ہیں اور یہ بیعت واقعۃً کل عالم میں ہو رہی ہوتی ہے اور ان کی اپنی اپنی زبان میں ہو رہی ہوتی ہے۔

پس یہ ایک ایسا خوب صورت نظارہ ہے اور ایسا روح پرور نظارہ ہے جس کی مثال اس سے پہلے سوائے بائبل کی پیشگوئی کے اور کسی جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ عہد نامہ جدید میں پیش گوئی کے رنگ میں تو یہ بات بتائی گئی تھی مگر واقعۃً جو بات بیان کی گئی وہ حضرت مسیحؑ کے زمانے میں کبھی رونما نہیں ہوئی اس لئے آئندہ مسیح کے متعلق پیشگوئی تھی اور اس کو چونکہ پیشگوئی سے تصدیق حاصل ہے اس لئے اس سنت کو کوئی بدسنت قرار نہیں دے سکتا۔ ایک ایسی سنت حسنہ ہے جس کی دو ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے بنیاد رکھی تھی اور پیشگوئی کے ذریعے اس پر صاد فرمایا تھا کہ ایک بہت عظیم واقعہ ہونے والا ہے کہ بے شمار زبانیں بولی جائیں گی، بے شمار زبانوں میں خدا کی تسبیح و تحمید کی جائے گی اور لوگوں کو یہ عجیب دکھائی دے گا کہ وہ زبانیں جو وہ جانتے نہیں ہیں وہ کچھ نہ کچھ پیغام کسی نہ کسی سننے والے کو ضرور دے رہی ہیں یعنی سننے والے کے اگر وہ اردو جانتا ہے تو اردو میں تو پیغام مل رہا ہے باقی شور سنائی دیتا ہے۔ اگر وہ انگریزی جانتا ہے تو اردو بھی شور میں شامل ہو جاتی ہے اسے صرف انگریزی کی سمجھ آتی ہے۔ اگر وہ کوئی غانین زبان جانتا ہے تو وہی معنی خیز آواز بن کر اس کے کانوں میں پڑتی ہے باقی سب زبانیں انگریزی اردو ہر چیز محض ایک شور بن جاتی ہے۔ تو یہ جو واقعہ ہے یہ الٰہی تائید یافتہ واقعہ ہے۔ اس لئے یہ جب جلسے کے دن قریب آتے ہیں تو میں جماعت کو یاد دہانی کراتا ہوں کہ امسال پھر کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے جو جماعت کو اس سے پہلے چند سالوں میں توفیق بخشی ہے کہ ہر سال عالمی بیعت کی تعداد دگنی ہو رہی ہے تو خدا تعالیٰ امسال بھی اسے دگنا کر دے۔ مگر جب دگنا کرے تو اس کے تقاضے بھی ہیں جو پورے کرنے پڑتے ہیں اس لئے گزشتہ سال چونکہ ایک ایسی جگہ تعداد پہنچ چکی تھی جہاں دگنے کے تصور سے جہاں لطف آتا تھا وہاں خوف بھی پیدا ہوتا تھا۔ اس لئے میں نے جماعت سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ یہ دعا کریں کہ اے اللہ اگر یہ دگنا پھل ہمیں سنبھالنے کی توفیق

ملنی ہے تو پھر دگنا کر دے ورنہ پھر ہماری توفیق بڑھا۔ جب تک توفیق نہ بڑھائے پھل سمیٹنے کی طاقت ہی انسان کو نہیں ہو سکتی۔ اس لئے پھل پیدا کرنا تو اس کا کام ہے۔ پھل سمیٹنے کی توفیق تو ہماری توفیق ہے۔ جب تک ہمیں عطا نہیں کرے گا اس وقت تک ہم ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتے جو آنے والے مہمانوں کی ذمہ داریاں ہیں۔

پس یہ جلسہ جو آنے والا ہے یہ کچھ مہمان تو لے کے آئے گا، کچھ کل عالم میں آنے والے خدا کے مہمان ہیں جو اس پہلو سے عزت کے لائق بھی ہیں، خدمت کے حقوق بھی رکھتے ہیں مگر تربیت کے بھی محتاج ہیں اور تربیت کے پہلو سے جماعت احمدیہ پر اس کی اولین ذمہ داری ہے۔ یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں یہ تربیت کا راز بھی سکھا دیا گیا۔ فرمایا بات تو بہت خوب صورت ہے کہ خدا کی طرف بلاتے ہو اور ہر بلانے والا جو مذہب سے تعلق رکھتا ہے خدا ہی کی طرف بلاتا ہے لیکن اس قول کی خوب صورتی تمہارے عمل کے حسن سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر تمہارا کردار حسین ہے تو پھر بلانے والا بھی حسین دکھائی دے گا اور جس طرف بلایا جا رہا ہے وہ بھی حسین دکھائی دے گا اور پھر اس بات میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ مگر بلاؤ اس نام پر کہ وہ بہت ہی پیارا اور کامل خدا ہے تمام قدرتوں کا مالک ہے، سب حسن کا منبع ہے اور تم خود بدیوں کے منبع بنے ہو، تم سے بداخلاق پھوٹ رہے ہیں، تمہاری ادائیں ناپسندیدہ ہوں، تمہارا معاشرے میں کردار ناپسندیدہ ہو، تمہارا گھر میں کردار ناپسندیدہ ہو، تمہارا دوستوں سے لین دین میں معاملات میں کردار ناپسندیدہ ہو اگر یہ حالت ہے تو خدا کی طرف بلانے کا تمہیں حق بھی کیا پہنچتا ہے اور اگر بلاؤ گے تو ناواقف سمجھیں گے کہ ایسے خدا کا مرید ہے جیسا یہ آپ ہے اور اس خدا میں کس کو دلچسپی پیدا ہوگی۔ پس لازم ہے کہ تم بلانے کے ساتھ اپنے کردار کو شایانِ شان بناؤ۔ جس ذات کی طرف بلا رہے ہو اس کی کچھ صفات اپنے اندر جلوہ گر کرو اور کوئی سننے والا تمہاری دعوت پر کان نہیں دھرے گا جب تک اس کی آنکھیں تمہاری ذات میں وہ حسن نہیں دیکھتیں جو حسن اس خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے جو کل عالم کا خالق ہے۔

پس یہ وہ مضمون ہے عَمِلَ صَالِحًا والا جس کی طرف توجہ دلانا اس لئے بھی مقصود ہے کہ تربیت کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔ دنیا میں تربیت کے لئے قول اور عمل یہ دو ہی چیزیں ہیں جو کام کیا کرتی ہیں۔ مگر ہر وہ قول جو عمل کی تائید سے خالی ہو وہ تربیت میں بھی ناکام رہتا ہے اور تبلیغ میں

بھی نا کام رہتا ہے۔پس تبلیغ کی کامیابی کا راز بھی جہاں ایسے عمل میں ہے جو خوب صورت قول کی تائید کرنے والا ہے وہاں تربیت کی کامیابی کا راز بھی اس نیک عمل میں ہے جو خوب صورت قول کی تائید کرنے والا ہے۔یہ جب کرو پھر تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ کہو میں مسلمان ہوں۔اب اس میں دیکھیں آج کی دنیا کی کتنی خرابیوں کا حل موجود ہے جو عالم اسلام کے راہنماؤں کی طرف سے دنیا میں پھیل رہی ہیں۔جو مرضی کردار ہو،قتل و غارت کی تعلیم دے رہے ہوں،دنیا کے امن برباد کر رہے ہوں اور بڑے زور سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔اگر عمل بد ہوں تو کم سے کم چھپانے ہی کی کوشش کرو۔حیا کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت اپنے رشتے ظاہر نہ کرو۔وہ لوگ جو جرموں میں پکڑے جاتے ہیں بسا اوقات اپنے ماں باپ کا نام نہیں بتاتے اگر ان کو علم ہو کہ ماں باپ کی عزت کو خطرہ ہے۔ان کا بڑا نام جو ہے وہ گلیوں میں رسوا ہو جائے گا تو اس سے آپ لاکھ پوچھیں وہ کہے گا نہیں میں نے کچھ نہیں بتانا۔جو احمق ہیں وہ ماں باپ کے اونچے نام کی حفاظت میں آنے کی خاطر اپنی بدیوں کے وقت بھی ان کو استعمال کر لیتے ہیں۔

تو دیکھنا یہ ہے کہ تمہاری تبلیغ کیا رنگ رکھتی ہے۔کیا تم خدا کے نام کے اندر،اس کی حفاظت میں اپنی بدیاں لا رہے ہو اور خدا کا نام لے کر،اس کی طرف دعوت دے کر اپنے اعمال سے دنیا کی نظروں میں پوشیدہ ہو رہے ہو یا دنیا کی نظروں سے اپنے اعمال پوشیدہ کر رہے ہو کہ یہ تو خدا کی طرف بلانے والا ہے یہ تو اچھا ہی ہوگا۔اگر یہ بات ہے تو یہ منافقت ہے۔اس کا حقیقت سے سچائی سے اور آپ کے خدا کی طرف دعوت دینے سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے بلکہ ایسے معاملات ہمیشہ دین کو نقصان پہنچاتے ہیں۔اس لئے تبلیغ کے ساتھ ساتھ یا دعوت الی اللہ کا جو معاملہ ہے۔دعوت الی اللہ ہی کے ساتھ ساتھ میں کہوں گا،تربیت کے وہ تقاضے بھی پورے کرنے ہوں گے جو آپ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ تقاضے بھی پورے کرنے ہوں گے جو آنے والوں کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔اور وہ تقاضے بھی پورے کرنے ہوں گے جن کے نتیجہ میں آنے والے آتے ہیں۔وہ تقاضے پورے نہ ہوں تو آتے ہی نہیں۔پس یہ وہ تین پہلو ہیں عَمِلَ صَالِحًا کے جو میں ایک دفعہ پھر اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

وہ تقاضے جو بلانے والے تقاضے ہیں ان میں یاد رکھیں کہ تب تک کسی تبلیغ میں کسی سننے

والے کو دلچسپی پیدا نہیں ہوتی جب تک تبلیغ کرنے والے کی ذات میں دلچسپی پیدا نہ ہو۔ذات میں دلچسپی ضروری ہے اور اگر ایسا کوئی شخص جو بداعمالیوں میں مشہور ہے تو اس کی ذات میں بھی دلچسپی لینے والے ہوں گے اور جو نیکیوں میں شہرت پا جاتا ہے اس کی ذات میں بھی دلچسپی لینے والے ہوتے ہیں لیکن ''کند ہم جنس با ہم جنس پرواز'' ایک تھیلی کے چٹے بٹے ایک ہی جگہ اکٹھے ہو جایا کرتے ہیں۔پس خدا کی طرف بلانے والے کے لئے اگر وہ خدا کی صفات سے عاری ہے کامیابی سے تبلیغ کرنے کا کوئی بھی امکان نہیں ہے کیونکہ جب تک کوئی شخص خدا کی صفات کسی ذات میں جلوہ گر نہ دیکھے اس کو خدا کی طرف توجہ نہیں ہو سکتی اور اگر صفات کو جلوہ گر دیکھے گا تو وہ لوگ جو بد ہیں وہ اس طرف رخ بھی نہیں کر سکیں گے۔سوائے ان بدوں کے جن کے دلوں میں اس کے حسن کردار کی وجہ سے ایک انقلاب برپا ہو رہا ہے۔پس سب سے پہلے تو تبلیغ Selective ہو جاتی ہے اور یہ بہت ہی اہم کام ہے۔ورنہ لوگ عمل کی تائید کے بغیر جو تبلیغ کرتے ہیں تو اینٹ پتھر روڑے کو بھی تبلیغ کرتے چلے جاتے ہیں اور کہیں اتفاق سے اچھی زمین بھی مل جاتی ہے اور وہ بیج پتھریلی زمینوں پر بھی پھینکتے رہتے ہیں اور عام بیج کو قبول کرنے والی زمینوں پر بھی کبھی کوئی بیج پڑ جاتا ہے۔مگر انہیں تمیز کوئی نہیں ہوتی اور کوئی ذریعہ تمیز ان کو میسر نہیں ہوتا۔اگر ایک احمدی سوسائٹی میں اس طرح مل جل کر رہ رہا ہے کہ اسے کوئی وجہ امتیاز نصیب نہیں ہوئی،اس کے عمل کی خوبی نے اسے اپنی ذات میں ایک Class بنا کر،ایک پہچان بنا کر اسے ابھارہ نہیں ہے تو اس کے گرد ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ویسے ہی رہے گا جیسے ہر شخص کے گرد روزمرّہ کے کاموں میں کچھ نہ کچھ لوگوں کا اجتماع ہو ہی جایا کرتا ہے۔دفتر میں جاتا ہے،سکول میں جاتا ہے،کالج میں جاتا ہے جیسا بھی زندگی بسر کر رہا ہے وہ لوگوں میں سے ایک انسان ہے اور نیک و بد ہر قسم کے اس کے گرد موجود رہیں گے۔اب وہ تبلیغ کرے گا تو نیک و بد سب کو ہی کرے گا اور چونکہ اس کی ذات میں نہ نیک کو دلچسپی ہے نہ بد کو دلچسپی ہے اس لئے سارے ہی سنی ان سنی کریں گے اور خصوصیت کے ساتھ جو بد ہیں وہ پھر بسا اوقات ایسے شخص کی کوششوں میں روک ڈالنے کے لئے شرارت بھی شروع کر دیتے ہیں لیکن یہ پہلو وہ ہے جو میں ایک دفعہ پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔اس وقت پیش نظر نہیں ہے۔پیش نظر یہ ہے کہ اگر ایک انسان کا کردار اچھا ہو اور نمایاں طور پر اچھا ہو تو لازماً معاشرے کے بہترین لوگ اس کے گرد اکٹھے ہونے لگتے ہیں اور وہ لوگ جو عملاً

اصلاح شدہ نہ بھی ہوں مگر دل میں نیکی کا بیج ہے وہ بھی اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ دیکھو گند کی مکھی گند ہی کی طرف جاتی ہے اور شہد کی مکھی پھولوں کا رس چوستی ہے۔ یہ فطری تقاضے ہیں جوان دونوں کی ان آماجگاہوں کی تفریق کرتے ہیں جہاں انہیں جاکر اترنا ہے اور وہاں سے کچھ پھل یا گندگی کا رس چوسنا ہے۔ تو اس پہلو سے پہلی تفریق تو آپ کے اعمال اس طرح کریں گے کہ آپ کے گرد اگر آپ اچھے ہیں تو اچھے لوگ اکٹھے ہوں گے۔ اگر بد ہیں تو بدلوگ اکٹھے ہوں گے اور بد کے لئے تو تبلیغ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب نیک انسان اچھے ماحول میں نیک لوگوں کو تبلیغ کرتا ہے تو اس کے لئے پھل لگنے کے امکانات بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ پس ایک نیک عمل کا یہ نتیجہ ہے۔ دوسرا یہ کہ باوجود نیک ہونے کے لوگوں کو عملاً آج کی دنیا میں خدا میں دلچسپی نہیں رہی اور اس عدم دلچسپی کی وجہ محض ذاتی بدی نہیں ہے نیکوں میں بھی عدم دلچسپی پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا ان کے لئے ایسی حقیقت ہے جو دنیا سے دور ہٹ چکا ہے۔ اس کا دنیا کے روزمرہ کاموں سے تعلق نہیں رہا اور تمام مذاہب میں یہ بدبختی آچکی ہے کہ ان کے رہنما عقائد کے لئے تو بھڑتے ہیں اور فرقوں کو فرقوں سے اور مذاہب کو مذاہب سے لڑا دیتے ہیں مگر نیک اعمال کے لئے ان کے اندر کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی ،کوئی ہیجان پیدا نہیں ہوتا، کوئی فکر لاحق نہیں ہوتی۔ ایسے فرقے جہاں نیکی پر اس قدر زور ہو کہ اگر کوئی شخص اصلاح نہ کرے تو ایک پورا نظام اس کے ساتھ اس کے اوپر اپنے آپ کو وقف کر دے، اس کا گھیرا لے لے، اس کی برائیاں دور کرنے کی کوشش کرے۔

ایسے فرقے کہاں ہیں سوائے جماعت احمدیہ کے۔ صرف جماعت احمدیہ ہے جہاں یہ ایک نظام کے طور پر کل عالم میں کام ہو رہا ہے کہ بدی کی بیخ کنی کرنی ہے، نیکی کو نافذ اور ثابت کرنا ہے اور نیکی کی نشوونما کے لئے انفرادی اور اجتماعی کوششیں کرنی ہیں۔ دنیا کے جتنے مذاہب ہیں ان کے ماننے والے اکیلی اکیلی بھیڑوں کی طرح ہیں جو ایک ہی جنگل میں ملتی ہیں۔ مگر کوئی ان بھیڑوں کا نگہبان نہیں ہے، کوئی گڈریا نہیں ہے جو ان کی حفاظت کرے۔ پس اس پہلو سے لوگوں کے اندر عملاً نیکی اور نیکی کے منبع یعنی خدا تعالیٰ کی ذات میں دلچسپی کم ہوتے ہوتے تقریباً مٹ چکی ہے۔ پس جن لوگوں کو میں نے نیک کے طور پر تعارف کروایا تھا میری مراد عرف عام کی نیکیاں ہیں۔ عرف عام میں نیکیاں طبیعت کا حصہ ہوتی ہیں۔ بعض لوگ ایسے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں جہاں سلیقے والی مائیں، سلیقے

والے باپ ان کو میسر آتے ہیں، خاندانی روایات ہیں جو بڑی دیر سے بعض اخلاق کی حفاظت کر رہی ہیں اور ان کو خود بخود بڑے ہو کر نیک ہو جانا کوئی تعجب کی بات بھی نہیں اور نہ ان کے خدا رسیدہ ہونے کی علامت ہے۔ پس نیکیوں میں بھی ضروری نہیں کہ خدا رسیدگی پائی جائے نیکیوں میں بھی ایک ایسی کیفیت پائی جاسکتی ہے جو نیکیاں دنیا کے اتفاقات کے نتیجہ میں معاشرے کے از خود پیدا ہونے والے امن کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں اور ان کا مذہب اور خدا سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا۔ تو ایسے نیک لوگ بھی آپ کو دکھائی دیں گے جن کو آپ تبلیغ کریں گے تو نیکی کی وجہ سے، مزاج کی ہم آہنگی کی وجہ سے آپ کی طرف آئے تو ہیں لیکن جب آپ تبلیغ کریں گے تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہیں اور تم ہمیں کیا بنالو گے۔ جھوٹ ہم نہیں بولتے، کسی کا مال نہیں کھاتے۔ جہاں تک خدمت کا تعلق ہے بنی نوع انسان کی جو خدمت ہے وہ ہم کرتے ہیں اور اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ تمہارے خلاف بھی جب کوئی بدتمیزی یا غلط بات کرے تو ہم ہمیشہ تمہاری حمایت کرتے ہیں تو اور انسانیت کیا ہے۔ پس یہ سب کچھ ہم میں ہے۔

مگر خدا تعالیٰ نے جو نیکی کی تعریف کی ہے وہ محض عمل تک محدود نہیں رکھی دعوت الی اللہ کو اس میں شامل کر دیا ہے۔ پس نیکی کا ایک اور مضمون اس سے ابھرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص جو خدا سے نیکیاں پاتا ہے اسے تو ایک جنون سا لگ جاتا ہے کہ اتنی حسین ذات ہے اور اتنی دلکشی اس میں پائی جاتی ہے کہ میں نے جو کچھ پایا اس سے پایا ہے، میں لوگوں کو بھی اس کی طرف بلاؤں۔

اب اس مضمون کو سمجھ کر حضرت مسیح موعودؑ کے کلام کی آپ کو سمجھ آئے گی ورنہ اس کا کوئی شعور آپ کو میسر نہیں آسکتا۔ درثمین اردو پڑھیں یا فارسی پڑھیں یا عربی پڑھیں بے اختیار دعوتیں پائی جاتی ہیں۔ اس قدر بے اختیار ہیں اور نثر میں بھی کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک انسان تڑپ رہا ہے بے چینی سے کہ جو کچھ میں نے پایا ہے میں لوگوں کو کیوں نہ دکھاؤں۔ وہ دوا کہاں سے لاؤں جو کانوں کو شفا بخشے کہ وہ آوازوں کو سن سکیں۔ اس قسم کے غیر معمولی قوت کے جذبے کہ سب کچھ ہم نے خدا سے پایا ہے، ہم اس خدا کو تمام دنیا سے روشناس کرادیں یہ وہ دعوت الی اللہ ہے جو نیک عمل کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے اور چونکہ نیک عمل اللہ کا ممنون احسان ہے، اللہ کے نتیجہ میں ہے اس لئے ایسا نیک عمل کرنے والا ضرور خدا کی طرف بلائے گا اور اس کے اعمال کا اور عام دنیادار کے اعمال کا یہ فرق ہوگا کہ

دنیا دار کی نیکیاں کسی خدا کے تصور کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کرتیں اور ان کی نیکیاں ان کی ذات کے ساتھ مر جاتی ہیں اور ان میں بقاء اور استحکام کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ایک یہ بھی فرق ہے جس کا تعلق استقرار اور استحکام سے ہے۔

خدا کی طرف سے جو نیکیاں آتی ہیں چونکہ خدا کی ذات کو دوام ہے اور ہمیشگی پائی جاتی ہے اس لئے انسان کی وہ نیکیاں جو خدا سے سیکھتا ہے ان میں بھی ایک دوام ہے اور ایک استقلال پایا جاتا ہے۔انفرادی ہوں یا قومی ہوں، حالات گردوپیش خواہ کیسے ہی بدلتے رہیں ان کی نیکیوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی لیکن وہ قومیں جو دنیا میں نیکیاں دنیا کے اطوار سے سیکھتی ہیں یا اپنی خاندانی روایات سے سیکھتی ہیں ان کی نیکیوں میں کوئی استقلال نہیں ہوا کرتا۔جب قومی ابتلا آتے ہیں تو ان میں سے سچے سے سچا بھی جھوٹ بولنے لگ جاتا ہے۔وہ سمجھتا ہے قوم کی خاطر جھوٹ بولنا جائز ہے۔وہ جو عام دنیا میں روزمرّہ کے کاموں میں کسی شخص کو دھوکہ نہیں دیتا جب قوم کی کسی مسند پر براجمان ہو اور باقی دنیا کے ساتھ معاملات میں دھوکے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا دھوکہ نہ دینا قوم سے دھوکہ سمجھا جاتا ہے۔اگر وہ غیر قوموں کو دھوکہ نہیں دیتا تو اس کی قوم اسے دھوکے باز کہے گی کہ اس نے قوم کے حقوق کو جیسا کہ ادا کرنے کا حق تھا ادا نہیں کیا۔تو ساری تعریفیں بدل جاتی ہیں اور نیکی کے ساتھ استقلال کا کوئی جوڑ دکھائی نہیں دیتا۔صرف ایک ذات ہے جس سے پیدا شدہ نیکی میں استقلال اس شان کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ کائنات الٹ پلٹ جائے تب بھی نیکی کی تعلیم وہی رہے گی۔انبیاء علیہم السلام اس کی بہترین مثال ہیں۔ان کی نیکیاں وقت سے آزاد ہیں اور حالات سے بالا ہوتی ہیں۔وہ امن کے حالات ہوں یا جنگ کے حالات ہوں ان کی سچائی ہمیشہ سچائی رہے گی۔سچائی ان کے خلاف جائے گی تب بھی سچ ہی بولیں گے اور یہ خدائی نیکی کی پہچان ہے اس لئے تبلیغ کے دوران ایسے لوگوں سے جب آپ گفتگو کرتے ہیں جو نیک مزاج کی وجہ سے آپ کے گرد اکٹھے ہوئے ہیں تو آپ کو یہ فرق ان کو دکھانا ہوگا۔ورنہ ان کو خدا میں کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوگی۔ان کو بتانا ہوگا کہ تمہارے اور میرے درمیان یا تمہارے اور خدا والوں کے درمیان ایک فرق ہے اور بڑا نمایاں فرق ہے اور جب تک وہ فرق پیدا نہ ہو کسی انسان کی نیکی، کسی معاشرے کی نیکی بھی بنی نوع انسان کو بچانے کے کام نہیں آسکتی۔

پس دیکھئے انبیاءؑ کا آغاز ہی ایک ایسی نیکی سے ہے جس کے ساتھ جتنا تعلق جوڑیں ان کے خلاف جاتی ہے۔سچائی کا اعلان کرتے ہیں۔توحید کامل کا اعلان کرتے ہیں اور یہ نیکی کا اعلان ہی ہمارے لئے ابتلاء کا موجب بن جاتا ہے۔جس نے سچائی کی خاطر ہر مصیبت سہیڑ لی اس کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی نیکی عارضی تھی اور وقت بدلنے کے ساتھ بدل سکتی تھی اور یہی انبیاءؑ کی اپنی صداقت کا ایک ثبوت ہے اور خدا کی ہستی کا ثبوت ہے۔اس لئے خدا تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کرنے کے لئے ایک نیک وجود کا ہونا ضروری ہے۔انبیاءؑ کے بغیر کوئی دنیا کی دلیل خدا تعالیٰ کی ہستی کو اس طرح لوگوں کے دلوں میں جانشین نہیں کرسکتی یعنی حقیقت کے طور پر جانشین نہیں کرسکتی کہ جو ان کے اعمال اور اخلاق کی کایا پلٹ دیں۔یہ ایمان جو خدا کی ذات پر پیدا ہوتا ہے اس کے لئے ثبوت ضروری ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ قرار دیا ہے اور ہر شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ میں خدا کا قائل ہوں اور وسیلے کے بغیر بھی گزارا ہوسکتا ہے، جھوٹا ہے کیونکہ سچے خدا کا یقینِ کامل اسی ہستی کے ذریعے ممکن ہے جس کی سچائی کو بار بار زلزلے درپیش آئے ہوں، ہر قسم کے جھٹکے ملے ہوں اور وہ سچائی یوں لگے جیسے ان کی جان لے کر رہے گی اور وہ جان دینے پر آمادہ رہے مگر سچائی کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔وہ سچائی اگر آسمان سے تعلق رکھتی ہے تو آسمان بھی ایک حقیقت بن کے آپ کو دکھائی دینے لگے گا اگر اخروی دنیا سے تعلق رکھتی ہے تو اخروی دنیا بھی ایک حقیقت بن کے آپ کو دکھائی دینے لگے گی۔انہی معنوں میں شہید کو شہید کہا جاتا ہے۔گواہی وہ جس میں غائب کی خاطر حاضر کو قربان کر دیا جائے۔اس سے بڑی قوی گواہی اور ممکن ہی نہیں ہے۔ورنہ تمام دنیا کا تجربہ یہ ہے اور دنیا کی حکمتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جو ہاتھ میں آجائے وہی حق ہے اور جو ہاتھ میں نہیں ہے اس کی خاطر خواہ وہ ہزار بھی ہو ہاتھ میں آئے ہوئے ایک کو بھی نہیں چھوڑو کیونکہ جو موجود ہے وہ غیر موجود کے لئے قربان نہیں کیا جاسکتا اور اگر کیا جاتا ہے تو یا تو وہ شخص سب سے بڑا پاگل ہے یا وہ شخص سب سے زیادہ سچا ہے۔اس نے کچھ ایسی بات دیکھ لی ہے جس کے نتیجہ میں موجود کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ غیر موجود زیادہ یقینی ہے اور ان معنوں میں زیادہ یقینی ہے کہ موجود کے اوپر تو کبھی بھی موت وارد ہوسکتی ہے اور ہونی ضروری ہے لیکن وہ دنیا جو لامحدود ہے وہ غیر فانی ہے۔اس لئے وہ جانتا ہے کہ اس فانی کیفیت کو جو مجھے نصیب ہے اس لافانی کیفیت پر قربان کرنا عقل اور میرے ذاتی منافع کا طبعی تقاضا ہے۔پس جسے

لوگ بے غرضی سمجھتے ہیں وہ حقیقت کی دنیا میں سب سے بڑی خود غرضی یعنی معقول خود غرضی ہے۔ ایک شخص کو جہاں فیصلہ کرنا ہو کہ یہ ایک لاکھ کی رقم وصول کرنی ہے یا ایک روپیہ لینا ہے تو ظاہر بات ہے اگر اسے واقعۃً دکھائی دے رہا ہے ایک لاکھ تو ایک لاکھ ہی لے گا روپے کو چھوڑ دے گا مگر روپیہ اس کی جیب میں ہے تو جیب سے نکال کر پھینکنا ہوگا یہ شرط ہے پھر وہ لاکھ بھی ملے گا۔ لیکن اگر لاکھ دکھائی نہ دے رہا ہو اور لوگوں کو بھی دکھائی نہ دے رہا ہو اور ایک شخص ایک چھوڑ کر ہزار بھی پھینک دیتا ہے جیب سے نکال کے تو اس سے بڑا یقینی گواہ اس لاکھ کے حق میں میسر نہیں آسکتا۔ عدم ہونے کے باوجود اتنا حقیقی ہو گیا کہ جو موجود چیزیں تھیں وہ اس کی خاطر قربان کر دی گئیں۔

پس انبیاءؑ کی امتیں جب اخروی دنیا کی شہادت اس طرح دیتی ہیں کہ وہ زندگی جو ہاتھ میں ہے جو رگوں میں دوڑ رہی ہے اسے اس یقین پر کہ ہم نے لازماً زندہ ہونا ہے اور ہمیشہ کے لئے زندہ ہونا ہے اس طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں جیسے کوئی گلی سڑی چیز کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو شہید کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اخروی دنیا کو دیکھ لیا ہے اور ان کی گواہی قابل قبول ہوگی۔ اب دیکھیں نبی نے بھی جو کچھ قربان کیا ہے وہ ایک غیر مرئی ذات کی خاطر کیا ہے اور وہ لوگ جو اس سے مقابلہ کر رہے ہیں وہ دیکھی ہوئی چیزوں کو اور دیکھی جانے والی چیزوں کو اس غیر مرئی چیز پہ ترجیح دیتے ہیں۔ سورج کی عبادت کرنے والے ہیں، چاند کی عبادت کرنے والے ہیں، دنیا کے بتوں اور دنیا کے بڑے بڑے طاقتور انسانوں کی عبادت کرنے والے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سب چیزیں ہمارے پاس ہیں، موجود ہیں ان کی ایک حقیقت ہے۔ یہ کس طرف بلا رہے ہیں وہ غیر مرئی ذات جس کو نہ چھو سکے، نہ سونگھ سکے، نہ چکھ سکے، نہ دیکھ سکے، نہ ہاتھ ملا سکے، اس کی خاطر پاگل اپنے ان مفادات کو قربان کر رہا ہے جو سب اس کو میسر ہیں اور جو میسر نہیں ہیں وہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیکھو تمہیں ہم دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے سربراہ بنانے پر آمادہ ہیں۔ دنیا کی سب سے خوب صورت عورت مہیا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تمہیں دنیا کا سب سے زیادہ مال دار انسان بنانے پر تیار ہیں مگر یہ پاگلوں والا ذکر چھوڑ دو کہ کوئی غیر مرئی چیز ہے اس کی خاطر ہم اپنے ہاتھ میں آئی ہوئی چیزوں کو قربان کر دیں لیکن وہ ان سب کو ردّ کر دیتا ہے۔ پس ایسا شخص ہی ہے جو حقیقت میں خدا کی ہستی کا قائل ہے اور ایسا شخص ہی ہے جو پھر یہ حق رکھتا ہے کہ خدا

کی طرف بلائے کیونکہ جس کی طرف بلایا اس کے وجود کے متعلق اس نے اپنی تمام قربانیوں کے ذریعے ثابت کر دیا کہ اس کا یقین درست ہے اور فرضی اور وہمی یقین نہیں ہے۔

اور بلایا ہے پھر یہ کہہ کر اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ میں تو مسلمان ہو چکا ہوں۔ میں نے تو اپنی فرمانبرداری کی گردن اس رب کے حضور جھکا دی ہے جس کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔ اس لئے میرا حق ہے اب تمہیں بھی اس طرف بلاؤں۔ آؤ اور پھر کیسے اس کو پاؤ گے۔ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ میں جو مسلمان ہوں، تمہیں مجھ جیسا بننا ہوگا۔ اگر مجھ جیسا بننے میں دلچسپی ہے تو پھر دعوت کو قبول کرو ورنہ نہ کرو۔ تو وسیلے کی اہمیت جو انبیاءؑ کے تعلق میں ہے وہی اہمیت ہر داعی الی اللہ کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر وہ وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو دعوت الی اللہ کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ پس آپ جب مجھ سے یہ پوچھتے ہیں کہ ہماری دعوت کو پھل نہیں لگ رہے۔ لوگ دلچسپی نہیں لے رہے، لوگ دنیا دار ہو گئے ہیں تو اپنی ذات سے کیوں نہیں پوچھتے کہ آپ کی ذات میں کیوں دلچسپی نہیں لیتے۔ جب آپ کوئی دنیا کا فن حاصل کرتے ہیں اور ایسی چیز میں کمال حاصل کرتے ہیں جو دنیا کو دکھائی دیتی ہے تو ضرور آپ میں دلچسپی لیتے ہیں۔ تو انبیاءؑ نے وہ کیا کر کے دکھایا جس سے غیر مرئی، مرئی سے بھی بڑھ کر حیثیت اختیار کر گیا۔ انہوں نے خدا کی صفات کو اپنی ذات میں جاری کیا ہے اور ان صفات کی طاقت ہے جو ایک وجود میں دکھائی دینے لگتی ہے اور وجود سے دوسرے وجودوں پر اثر پذیر ہو جاتی ہے۔

پس اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کے دعوے تک پہنچنے سے پہلے عَمِلَ صَالِحًا کی جو منزل ہے اس میں سے گزرنا پڑتا ہے اور جب اس میں سے گزرتے ہیں تو آپ میں خدائی صفات کا جلوہ گر ہونا لازم ہے اور صفاتِ باری تعالیٰ ضرور طاقت رکھتی ہیں۔ ان میں صلاحیت ہے کہ وہ دوسرے پر غالب آسکیں۔ تبلیغ میں میرا تجربہ، میرے گردوپیش جو تبلیغ کرنے والے تھے ان کا تجربہ، جن اداروں سے میں منسلک رہا ہوں، جو تبلیغ کے لئے وقف تھے ان کا تجربہ، مسلسل بلا استثناء یہی ہے کہ وہ لوگ جو حقیقت میں کچھ خدائی صفات کو اپنا کر باعثِ کشش بن جاتے ہیں خواہ وہ اَن پڑھ ہوں، خواہ سادہ لباس رکھنے والے ہوں، غریب ہوں، ضعیف ہوں، بات کرنے کا سلیقہ بھی نہ آتا ہو، ان کے اندر، ان کی تبلیغ میں لوگ زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور وہ جو علم کی شوخیاں دکھانے والے ہیں

اور اچھے لباس پہن کر یا اپنی دولت کے برتے پر خدمتیں کرتے ہیں تبلیغ کی خاطر لیکن اندر سے وہ صفاتِ باری تعالیٰ سے عاری ہوتے ہیں ان کی ان سب کوششوں کو خدا رائیگاں کر دیتا ہے۔اس کو کوئی بھی پھل نہیں لگتا چنانچہ ضیافت کرنے والے دو قسم کے میں نے دیکھے ہیں۔بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے تو مہمان نوازی کی بھی حد کر دی، بڑا خرچ کیا ان لوگوں پر، بڑی خدمتیں کی ہیں،کوئی سنتا ہی نہیں، کسی کو دلچسپی ہی نہیں ہے۔ایک صاحب جن کا میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں ان پڑھ یا قریباً ان پڑھ اپنے آپ کو کہتے تھے میں تو کورا چٹا بالکل لیکن غیر قوموں کو جن کی زبان بھی وہ نہیں جانتے ان کو کامیابی سے تبلیغ کرنے والے یہاں تک کہ ایک سال میں خدا تعالیٰ کے فضل سے تیس پھل انہوں نے جماعت کی خدمت میں پیش کر دئے۔بڑے مخلص اور باعمل اور نیک لوگ۔ان سے میں نے پوچھا کیا بات آپ کیا کرتے ہیں۔انہوں نے کہا آتا جاتا مجھے کچھ نہیں صرف پیار کے ساتھ کہتا ہوں جی بات سچی سن لو، ہماری بات۔یہ کہہ دیتا ہوں مجھے بات نہیں آتی ہماری ویڈیو دیکھ لو ہمارے گھر کھانا کھا لو یہی میری تبلیغ ہے۔لیکن چونکہ ان کے اندر نیکی اور سچائی ہے اس لئے ان دو تین باتوں کا اتنا گہرا اثر پڑ جاتا ہے ان لوگوں پر کہ وہ گھر کا کھانا کھاتے ہیں تو دراصل وہ اسلام کی غذا کھا رہے ہوتے ہیں۔ویڈیو دیکھتے ہیں تو وہ اسلام کو جلوہ گر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ورنہ دیکھنے والے غلط نظریں لے کر آئیں تو وہی ویڈیو ان کو اور متنفر کر دیتی ہے۔غلط ذوق لے کر آئیں تو وہی کھانا ان کو دھکیل دیتا ہے کہ یہ کیسا کھانا پکا ہوا ہے اس میں مرچوں نے میرا ستیاناس کر دیا۔مگر وہاں کے جو لوگ ہیں جن کو مرچوں کی عادت نہیں پیار سے پیش کئے ہوئے کھانے کو بڑی محبت سے کھاتے ہیں اور پھر بہت تیزی کے ساتھ ان کی دعوت الی اللہ ان کے دل پر اثر کرنے لگتی ہے۔

پس وسیلہ بننے کے لئے ظاہری اخلاق کام نہیں آتے وہ گہرے اخلاق کام آتے ہیں جو ذات باری تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہوں اور خدا تعالیٰ کے تصور میں ان کی جڑیں ہوں اور ظاہراً ان کی تمیز کرنا، ان کا فرق کرنا الفاظ میں ممکن نہیں ہوتا۔ایک آدمی ''جی آیاں نوں'' کہہ کے بات کرتا ہے۔''حاضر سائیں'' کہتا ہے۔ایک دوسرا بھی کہتا ہے۔ایک کے کہنے میں تصنع دکھائی دیتا ہے، بناوٹ کی بات نظر آتی ہے اور انسان ذرا بھی اس کی طرف توجہ نہیں دیتا۔بعض بڑے بڑے لفاظیاں کرنے والے، بڑے بڑے جھک کر کلام کرنے والے ایسے ہمارے ملک میں موجود ہیں جن

کا وہ جھکنا، جن کا کلام کرنا ہی نہایت ہی کراہت پیدا کرتا ہے اور دل متنفر ہو جاتا ہے کہ ان کی صحبت سے کسی طرح نجات ملے۔ بات بات پہ وہ حضور کہیں گے۔ کہیں گے ہم حاضر ہیں، ہم خدمت کے لئے، ہم حقیر چیز ہیں ہمارا کچھ بھی نہیں ہے جناب ہی جناب ہیں، جناب والا ہی کی سرکار ہے آپ کا ہی حکم چلتا ہے اور جتنا وہ کہتے ہیں اتنا دل متنفر ہوتا چلا جاتا ہے کناروں تک بھر جاتا ہے اور لگتا ہے قے کر دے گا آدمی اور کچھ لوگ سادہ سی ایک آدھ بات کرتے ہیں جی جیسا فرمائیں گے۔ اتنی اس میں طاقت ہوتی ہے کہ انسان جانتا ہے کہ اگر ان سے جان پیش کرنے کا کہیں گے تو جان ہی پیش کریں گے۔ اب کہاں ان کی بات، کہاں ان پہلوں کی بات زمین و آسمان کا فرق ہے ان کے نتائج میں اور اخلاق کی تعریف سچائی کے سوا ممکن ہی نہیں ہے اور سچائی کی تعریف خدا کے حوالے کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔

پس ہر وہ خلق سچا ہے جو سچائی اپنے اندر رکھتا ہے اور ہر وہ خلق سچا ہے جس کی سچائی کا خدا کی ذات سے تعلق ہے۔ وہ سچائی غیر مبدل ہے اس سچائی کو کسی اور کی لالچ نہیں۔ اس کا استغناء بھی اپنے اندر ایک عجیب شان رکھتا ہے۔ ورنہ کوئی شخص آپ سے مستغنی ہو جائے تو آپ کو اس میں دلچسپی نہیں رہے گی۔ مگر خدا مستغنی ہے اور پھر بھی دلچسپی ہے۔ وہ مستغنی ہے آپ کے ظلموں سے، آپ کی بدکرداریوں سے۔ آپ ٹھوکر والی بات بھی کرتے ہیں تو وہ پھر بھی احسان کا سلوک جاری رکھتا ہے۔ تو استغناء کیا ہے؟ اس کی حقیقی تعریف بھی اللہ کے حوالے سے ہی سمجھ آتی ہے۔ بعض لوگ آپ سے زیادتی کرتے ہیں آپ اس کے باوجود ان سے حسن سلوک کرتے چلے جاتے ہیں اور دکھاوے کی خاطر نہیں بلکہ آپ کے مزاج میں یہ بات داخل ہے۔ میرے سامنے بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ لوگ حیران ہوتے ہیں ہمیں غصہ آتا ہی نہیں جتنا وہ کوشش کرلیں وہ ہمیں چھیڑتے ہیں کہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تمہیں غصہ کیوں نہیں آتا۔ تو ان کو ہم کیسے سمجھائیں کہ ہمارے مزاج میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات رکھی ہی نہیں ہوئی۔ ہم ہنس کر برداشت کر لیتے ہیں، بے عزتی بھی برداشت کر جاتے ہیں اور ایسے لوگ پھر ہر دلعزیز ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پس آپ کی ذات میں جو دلچسپی ہے حسن خلق سے تو ہے لیکن اس حسن خلق سے جو اللہ کی طرف بلانے والے کے اندر ہونا چاہئے۔ جس ذات کی طرف سے کوئی آیا ہے، اس کا پیمبر بن کے آتا ہے اور اس کا پیمبر بنتا ہے تو پھر اس کے ہر حسن کی جس کی وہ تعریف کرتا ہے کوئی جھلک اس کی ذات میں ملنی چاہئے اور وہ جھلک جو ہے وہ دنیا کے حسن سے ممتاز

اور بالکل الگ ہے، کوئی ان میں اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ پس وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بھی بڑے نیک لوگ موجود ہیں وہ کیوں ہم سے افضل یا بہتر نہیں ہیں جبکہ وہ بعض خوبیوں میں ہم سے بڑھ گئے ہیں تو ان کو علم نہیں ہے کہ ان کا حسن ایک خالی حسن ہے جس کے اندر خدا کے نور کی سچائی نہیں ہے اور اگر خدا کے نور کی سچائی نصیب ہو جائے تو ضرور وہ چمک اٹھیں گے۔ اس میں کوئی شک کی بات نہیں۔

پس اپنی تبلیغ میں وہ کردار پیدا کریں جس کردار کو آپ الٰہی صفات کی جھلک قرار دے سکتے ہیں۔ الٰہی صفات کا پوری طرح جلوہ گر ہونا تو آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ مگر کوشش کرنا آپ کے بس کی بات ہے۔ یہ کہہ دینا کہ ہم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نہیں بن سکتے یہ کہنا نیکی بھی ہو سکتا ہے اور ظلم اور گناہ بھی بن سکتا ہے۔ بعض لوگ یہ اس لئے کہتے ہیں کہ ہر بدی کے لئے ایک Licence حاصل کر لیں۔ آپ ان سے کہیں کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ تو یوں کیا کرتے تھے کہ چھوڑو جی کون رسول اللہ بن سکتا ہے اور تم کون سے بن گئے ہو۔ یہ بات محبت کی نہیں بے ادبی کی ہے۔ اس بات میں گہری گستاخی پائی جاتی ہے اور استغناء ہے وسیلے سے۔ یہ مستغنی اور ہے اور خدا کی ذات کے حوالے سے مستغنی بننے والا بالکل اور شخص ہوا کرتا ہے۔ ایسے شخص کو جب محمد رسول اللہ ﷺ کے کردار کا حوالہ دیا جائے جو حقیقت میں آپ سے پیار اور محبت رکھتا ہے تو وہ اس حوالے کے بعد یہ کبھی نہیں کہے گا کہ جی کون رسول اللہ ﷺ بن سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے سامنے آبدیدہ ہو جائے ہو سکتا ہے، راتوں کو اٹھ کے روئے اور عرض کرے کہ اے خدا میں بننا تو چاہتا ہوں مگر میری مجبوری ہے، بے اختیاریاں ہیں، تو میری مدد فرما کہ میں ویسا بن سکوں۔ یہ وہ شخص ہے کہ وہ جتنا بھی بنتا ہے اتنا ہی خدا اسے زیادہ مقبول بناتا چلا جاتا ہے۔ حسن کی تھوڑی جھلکی بھی اگر سچائی کی خاطر قبول کی جائے، سچائی سے قبول کی جائے اس میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

پس ہر داعی الی اللہ اگرچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نہیں بن سکتا مگر اگر دل کی گہرائی سے بننا ضرور چاہتا ہے تو پھر اس کا تھوڑا بننا بھی بہت ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کے تھوڑے میں بھی بہت برکت رکھ دیتا ہے۔ پس اس پہلو سے آپ کو دعوت الی اللہ کی حکمتوں کو تو سمجھنا ہوگا اس کے بغیر آپ کیسے دعوت الی اللہ کر سکیں گے۔ حکمتیں سمجھیں، ان کو اپنانے کی کوشش کریں۔ ان کو اپنی ذات میں جاری کریں اور پھر یہ دیکھیں کہ آپ کے اندر کوئی ایسی تبدیلی پیدا بھی ہوئی ہے کہ نہیں کہ آپ کی بات

میں کشش پیدا ہو جائے۔ اگر گھر میں ہی نہیں ہو رہی تو باہر کیسے ہوگی۔ حلقہ احباب اگر محسوس نہیں کرتے تو دوسرے کیسے محسوس کریں گے۔ اس لئے تبدیلی ہونا ایک فرضی قصہ نہیں ہے یہ روزمرّہ کے حساب کی بات ہے۔ وہ مومن جو اپنی ذات میں تبدیلی کرتا ہے وہ ہر وقت دیکھتا رہتا ہے، پرکھتا رہتا ہے۔ اس کی برائیاں کھل کر اس کے سامنے ہوتی ہیں۔ جو نہیں ہوتیں ان کی تلاش میں رہتا ہے، ان کی کھوج میں رہتا ہے اور پھر وہ ان کو اپنے سامنے رکھتا ہے کہ اس سے بھی میں نے نجات حاصل کرنی ہے، اس سے بھی حاصل کرنی ہے۔ پھر ان بُھدے نقوش کو دور کر کے ان کی جگہ خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، ان داغوں کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے، دھوتا چلا جاتا ہے اور یہ جو زندگی بھر کا کام ہے یہ ہے وہ دعوت الی اللہ جس کا قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

عَمِلَ صَالِحًا میں ہرگز یہ مضمون نہیں کہ کامل عمل صالح پر اسے اختیار نصیب ہو گیا ہے۔ دعوت الی اللہ دے کر عمل صالح کی طرف توجہ کرنا اور کرتے چلے جانا یہ وہ مضمون ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ عَمِلَ صَالِحًا کو پہلے رکھتا اور پھر کہتا کہ دعوت الی اللہ دے رہا ہے۔ پھر ہم سمجھتے کہ دعوت الی اللہ دینے کا حق اس وقت قائم ہوگا جب آپ عمل صالح کا حق ادا کر چکے ہوں گے۔ مگر اس طرح تو پھر دنیا کی اکثریت دعوت الی اللہ سے محروم ہو جائے گی۔ دعوت الی اللہ عمل صالح کا احساس اور شعور بیدار کرتی ہے اور جب یہ شعور بیدار ہوتا ہے تو اس کی آواز پر لبیک کہنے والے وہ ہیں جو عَمِلَ صَالِحًا کا تعریف میں داخل کئے جاتے ہیں۔ اس شعور کی بیداری کے ساتھ ساتھ آپ کی ذات میں ایک ارتقائی عمل شروع ہو جاتا ہے اور جب آپ اس عمل کے نتیجے میں اپنے آپ کو ایک خوبی پر پوری طرح مستحکم دیکھتے ہیں تو دل کی بے اختیار یہ آواز نکلتی ہے اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کہ میں تو مسلمانوں میں سے ہو گیا ہوں۔ پس اس کیفیت کے ساتھ دعوت الی اللہ کو سمجھ کر آپ تبلیغ کریں تو پہلے اپنی تربیت کی توفیق ملے گی پھر دعوت الی اللہ کی توفیق ملے گی، پھر وہ جو دعوت الی اللہ میں آپ کی آواز پر لبیک کہہ کر آئے ہیں ان کی تربیت کی بھی آپ کو توفیق ملے گی۔ یہ وہ تیسری بات ہے جس سے میں نے آغاز کیا تھا مگر پہلی دو باتیں سمجھائے بغیر اس تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔

نئے آنے والے کثرت سے آرہے ہیں اور ان کی تربیت کے تقاضے پھیلتے جارہے ہیں اور

سب سے زیادہ مشکل وہاں ہے جہاں قومیں داخل ہو رہی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ ان سب کو عمل صالح کی تلقین کرنا محض تلقین کے طور پر کافی نہیں۔ وہ نیک نمونہ جس نے ان کو کھینچا تھا اس نیک نمونے کو ان میں جاری کرنا اور ان کے لئے اس نمونے کو ان کا ''عرضہ'' بنا دینا وہ مقصود بنا دینا، جو اس کی پیروی کریں یہ ضروری ہے۔ مگر انفرادی تبلیغ میں تو یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے اگر ایک انسان نیت رکھتا ہو۔ لیکن اجتماعی تبلیغ میں مشکل پیش آجاتی ہے اور اس وقت میرے پیش نظر صرف انفرادی تبلیغ نہیں بلکہ وہ دنیا کے علاقے ہیں جو امریکہ میں تو ابھی نہیں مگر افریقہ میں کثرت سے ہیں اور بعض مشرقی ممالک میں بھی پیدا ہو رہے ہیں یعنی غیر افریقی ممالک میں بھی اور یورپ میں بھی بعض علاقے ایسے ابھر رہے ہیں جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے بکثرت لوگ احمدیت کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ جن کا رجوع فوج در فوج کہلا سکتا ہے۔ ان کی تربیت کا کیا طریق ہے؟ کیونکہ ان تک تو آواز پہنچانے والے چند تھے اور ان چند کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اپنے نمونے ان سب کو عملاً دکھا کر ان کا مزہ ان کو چکھا سکیں اس لئے وہ ان کی نظر میں اجنبی رہتے ہیں۔

ابھی حال ہی میں البانیہ ہم نے ایک وفد بھجوایا اور اسی غرض سے کہ وہاں کے تبلیغی اور تربیتی تقاضوں کو زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو پتا چلا کہ اکثر لوگ جو ہیں وہ احمدیت کو قبول تو کر چکے ہیں لیکن ان کے سامنے وہ احمدیت کا عملی زندہ نمونہ موجود نہیں ہے جو دراصل اب ان کو سنبھالنے کے لئے ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کریم اس مسئلے کا کیا حل پیش فرماتا ہے۔ اس مسئلے کا حل قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تم ان تک پہنچتے رہو گے تو یہ کافی نہیں ہوگا۔ اب ان کا فرض ہے یا تمہارا فرض ہے کہ یہ انتظام کرو کہ وہ تم تک پہنچیں اور انہی میں سے کچھ لوگ پیدا ہوں جو نیک اعمال کے نمونے دکھا سکیں اور پھر نیکی کی طرف بلا سکیں۔ یہ وہ حیرت انگیز نظام ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے اور جہاں تک میرا مذہب کا مطالعہ ہے مجھے کہیں اور دکھائی نہیں دیا کہ باہر سے لوگ آئیں، وفود کی صورت میں آئیں، تمہارے پاس ٹھہریں، تربیت حاصل کریں اور پھر واپس اپنی قوم کی طرف جا کر ان کے سامنے وہ پختہ باتیں دکھائیں جن کی تائید ان کے عمل کر رہے ہوں۔ یہ وہ طریق ہے۔ ایک یہ طریق ہے جو آج جماعت احمدیہ کے کام آسکتا ہے۔ چنانچہ اس طریق پر عمل کروانے کے لئے گزشتہ سال

جن جماعتوں کو میں نے ہدایت دی ان میں سے جنہوں نے عمل کیا وہ حیران رہ گئے کہ کتنا حیرت انگیز پاک نتیجہ ظاہر ہوا اور دہشت زدہ ہو گئے یہ دیکھ کر کہ اگر یہ نہ ہوتا تو ہماری تبلیغ ساری بے حقیقت ثابت ہو جاتی۔ بعض علاقے تھے جہاں ستر ہزار، ایک علاقے کے لوگ ہیں جنہوں نے اکٹھے احمدیت کو قبول کر لیا اور جماعت یہ سمجھی کہ الحمدللہ بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ چونکہ واقعۃً وہ احمدی ہوئے تھے اس لئے اس میں کوئی جھوٹ نہیں تھا کوئی مبالغہ نہیں تھا، رپورٹ بھیجنے کا حق بھی تھا لیکن جب یہ نصیحت میں نے کی کہ ان کے آدمی بلائیں اور ان کی تربیت کا انتظام کریں پھر ان کو سکھائے ہوئے پرندوں کی طرح جو ابراہیمی طیور ہیں واپس اپنی جگہ بھیج دیں پھر وہ ہمیشہ آپ کے رہیں گے۔ پھر جب آپ ان کو بلائیں گے تو ضرور لبیک کہیں گے اور جہاں جہاں جا کر ٹھہریں گے وہاں اپنے جیسے پاک نمونے پیدا کریں گے۔ جب یہ انتظام شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی خود آنکھیں کھل گئیں کہ یہ لوگ جو تربیت کے لئے آئے تھے اور وہ تھے جو چنیدہ تھے، جو اپنی قوم میں سے خاص اچھے سمجھے گئے تب ہی ان کو بلایا گیا تھا اکثر خالی تھے ان کو بعض بنیادی باتوں کا علم ہی کوئی نہیں تھا اور پھر نظام جماعت کے آداب کا علم نہیں تھا کیونکہ نظام جماعت کے آداب کا علم تمام نیکیوں کی حفاظت کے لئے ضروری ہے، تقویٰ کی حفاظت کے لئے ضروری ہے اور مستقل تسلیم و رضا کے نظام کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے اس کا فقدان بہت ہی خطرناک فقدان ہے۔ جب وہ آئے تو اس کے بعد دیکھتے دیکھتے رپورٹوں سے پتا چلا کہ ان کی تو کایا پلٹ گئی، ان کے آثار ہی بدل گئے اور واپس اس حال میں جا رہے تھے کہ اچھلتے کودتے۔ اب مزہ آئے گا ہمیں تبلیغ کرنے کا۔ اب ہمیں لوگوں کی تربیت کا لطف آئے گا پہلے تو ہمیں پتا ہی نہیں تھا کہ یہ کیا چیز ہوتی ہے۔

چونکہ یہ بھی اب ممکن نہیں رہا کہ ہر ملک کے مرکز میں تمام ایسے لوگوں یا قوموں کے نمائندوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جا سکے جنہوں نے واپس جا کر پھر قرآن کے بیان کے مطابق یا قرآن کے سکھائے ہوئے طریق کے مطابق اپنی اپنی قوم کی تربیت کرنی ہے۔ اب ہم نے یہ حل نکالا ہے کہ ہر علاقے میں ایک مرکز بنایا جائے اور وہ احمدیت کا مرکز ہو جہاں ہمہ وقت تربیت کے دور چلتے چلے جائیں۔ وہاں کچھ لوگ ایسے تربیت یافتہ بٹھا دئے جائیں جن کا کام ہی یہ ہو کہ لوگ باہر سے آئیں، ان کے پاس رہیں، پندرہ پندرہ دن، بیس بیس دن کے لئے مہینہ دو مہینہ ٹھہر سکتے ہیں تو اور بھی

بہتر ہے۔ان کی رہائش کا انتظام ہو، ان کے کھانے کا انتظام ہو اور وہ تربیت حاصل کر کے پھر اپنی قوم کی طرف لوٹیں۔ ورنہ آپ کے تصور میں بھی نہیں آسکتا کہ افریقہ کے ممالک میں رسل ورسائل کی کیا حالت ہے اور ایک علاقہ جس کو میں ستر ہزار کا علاقہ کہتا ہوں وہ ایک جگہ نہیں ہے، وہ پھیلا پڑا ہے جنگلوں میں۔ان میں سے ہر گاؤں ہزار بارہ سو یا آٹھ سو افراد پر مشتمل ہے وہ آپس میں کئی کئی میل کے فاصلے پر بھی ہوسکتا ہے اور دشوار گزار رستے ہیں ان کو باہر سے جانے والا طے بھی نہیں کرسکتا آسانی سے اور پھر رستے کے خطرات کا مقابلہ بھی نہیں کرسکتا۔ وہ اس طرح احمدی ہوئے کہ ان کے لیڈرز ایک جگہ اکٹھے ہوئے تھے اور بات سنی اور پورے اطمینان سے احمدیت کی تائید کی اور اپنے سارے علاقے سے پوچھا اور ان کے نمائندے بلوائے اور ان سے پوچھا اور سب نے جب توثیق کی تب وہ احمدی شمار ہوئے لیکن تربیت کے لئے اب احمدی مبلغین جو تربیت یافتہ ہیں ان کی تعداد کیا ہے اور حیثیت کیا ہے۔کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ وہ اتنے بڑے قافلوں کے کام آسکتا ہے؟ وہ اتنی بڑی فوجوں کی بھوک مٹا سکتا ہے؟ ممکن ہی نہیں ہے۔مگر قرآن نے یہ مضمون سکھا کر کتنا آسان کر دیا۔فرمایا ان کو کہو وہ آئیں اور ان کے لئے مراکز قائم کرو۔ وہ تربیت پائیں اور پھر واپس جائیں۔ وہ جانتے ہیں اپنی قوم کے اسلوب کو، اپنی قوم کی زبان کو، اس کے اطوار کو، وہ جانتے ہیں کہ ان کے اندر کیا کیا برائیاں ہیں۔ وہ اگر ان کی برائیاں کہیں کہ یہ برائیاں ہیں تو وہ مان جائیں گے اور بسا اوقات تم کہو گے تو وہ برا منائیں گے۔

پس ان وفود کو بلا کر یہ بھی تجربہ ہوا کہ بڑے بڑے نیک لوگ جو بڑے اخلاص سے احمدی ہونے والے تھے جب بعض رسموں کے خلاف ان سے بات کی تو بھڑک اٹھے ابتداء میں، کہ نہیں نہیں یہ غلط ہے ہمیں تو یہی سکھایا گیا ہے، یہی اسلام ہے کہ جب کوئی فوت ہو تو اتنے بکرے لوگوں کو کھلاؤ اور اتنے پیسے آئمہ کو تقسیم کرو اور ساتویں دن یہ کرو اور بارھویں دن یہ کرو۔ یہ سارے قصے اپنے اپنے خیالات کے مطابق مختلف ملکوں میں رائج ہیں اور بعض ظالمانہ ایسی رسوم بھی ہیں جو محض یہ نہیں کہ سنت نہیں ہے بلکہ سراسر سنت کے مخالف ہیں۔تو ان کی تربیت میں وہاں پتا چلا جب وہ چند تھے کہ اگر ان کی قوم کے اندر رہتے ہوئے ان سے یہ ساری بات کی جاتی تو ساری قوم نے ان کی تائید میں اٹھ کھڑے ہونا تھا اور ہرگز بعید نہیں تھا کہ یہ تربیت ارتداد کا موجب بن جاتی۔مگر چونکہ احمدی ماحول جو

مرکزی ماحول تھا اس کے غلبے کے اندر آئے ہوئے تھے، مہمان ٹھہرے ہوئے تھے، اپنی حدود کو سمجھتے تھے اور سارا ماحول جو ارد گرد تھا جو ان کی کلاسوں میں آیا بھی کرتا تھا جن سے روز ملاقاتیں ہوتی تھیں اور سارے انہی عقائد کے قائل تھے جو جماعت ان کو سکھا رہی تھی تو اس سے وہ مرعوب ہو گئے اور زیادہ پھر اصرار نہیں کیا بدیوں پر۔ جب ان لوگوں نے جا کر ان کو سکھایا کہ ہم یہ سیکھ کر آئے ہیں ہم واقعۃً غلط سمجھتے تھے تو ان کی باتوں کا نیک اثر ہوا۔

اور قرآن کریم جب یہ تعلیم دیتا ہے تو اس کی مثالیں بھی ہمارے سامنے رکھتا ہے اور عجیب کامل کتاب ہے۔ کوئی بھی ایسی تعلیم نہیں جس کی ایک نہایت ہی اعلیٰ اور پاکیزہ مثال ہمارے سامنے نہ رکھ دی ہو۔ اس مضمون کی مثال ان جنوں کے واقعات میں دی گئی جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض لوگ انہیں جنوبی عرب کے قبائل قرار دیتے ہیں مگر زیادہ مستند تحقیق یہ ہے کہ وہ افغانستان کا ایک وفد تھا اور پٹھان قبائل تھے چونکہ یہ روایت سارے افغانستان میں تمام قبائل میں موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ہمارا ایک وفد مخفی طور پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور انہوں نے واپس آ کر جب تعلیم دی تب ہم مسلمان ہوئے ہیں۔ اب یہ اگر ایک فرضی روایت ہوتی تو چند قبائل کی ہو سکتی تھی ساری قوم کی متفق علیہ گواہی نہیں بن سکتی تھی اور قرآن کریم نے جو ذکر فرمایا ہے وہاں یہ بات بطور خاص ہے کہ ان کی Identity مخفی رکھی گئی، ان کے تشخص کو ظاہر نہیں فرمایا گیا۔ یہاں تک آنحضرت ﷺ ایک صحابیؓ کو ساتھ لے کر چلے تو اسے دور کھڑا کر دیا کہ اب یہاں سے آگے تم نے قدم نہیں رکھنا۔ میں اکیلا جاؤں گا اور پھر ساری رات ان سے تبلیغ کی ہے۔ وہ زبان سمجھنے والے ہوں گے، کوئی ایسے مترجمین ان کے ساتھ ہوں گے۔ جو بھی صورت تھی وہ جب واپس گئے ہیں تو قرآن کریم فرماتا ہے یہ باتیں کر رہے تھے کہ ہم بھی کیسے پاگل تھے یہ یہ رسمیں، یہ یہ خیالات ہم میں پائے جاتے تھے۔ اب عرب وفد اگر کوئی جا کے افغانستان میں جن کے آغاز ہی سے شدید مزاج ہیں باتیں کرتا تو شاید زندہ بچ کے واپس نہ آتا۔ مگر قوم نے جو وفد بھیجا تھا جب وہ سیکھ کر واپس گیا ہے تو قرآن کہتا ہے کہ بڑے عزم کے ساتھ وہ یہ کہتے ہوئے واپس جا رہے تھے کہ ہاں ہم جا کے قوم کی اصلاح کریں گے۔ بتائیں گے کہ پاگل تھے وہ ہمارے آباؤ اجداد جو یہ یہ باتیں کیا کرتے تھے یہ یہ سوچا کرتے تھے، اصل حقیقت یہ ہے اور اسی وقت، انہی

باتوں کے درمیان ختم نبوت کا مسئلہ بھی حل کر جاتے ہیں۔ وہ جو بیوقوفیاں آباؤ اجداد کی تھیں ان میں ایک یہ بھی بیان کرتے ہیں۔ عجیب بے وقوف لوگ تھے کہتے تھے اب نبی کبھی خدا نہیں بھیجے گا اور دیکھو نبی سے مل کر آ رہا ہے۔ تو یہ ختم نبوت کا عقیدہ ہے مولوی جھوٹ بولتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے بعد جاری ہوا۔ قدیم سے اس قسم کے عقیدے مختلف رنگوں میں قوموں میں پائے جاتے تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس کی تردید فرمائی اور یہ بات اپنے پلے باندھ کر وہ واپس لوٹے کہ اس قسم کی ختم نبوت کوئی چیز نہیں کہ جس کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے ہدایت دینے والے ہی بند ہو جائیں۔ نئے مذہب کی بات اور ہے مگر ہدایت دینے والے خدا کی طرف سے آنے لازم ہیں۔

تو دیکھو وہ وفد کا طریق جو خدا نے ہمیں سکھایا اس کی ایک سچی حقیقی مثال ہمارے سامنے تاریخ اسلام سے رکھ دی کہ اسی طرح تم سے بھی ہوگا۔ تم اس طرح تربیت کے انتظام کرو گے تو پھر یہ لوگ بڑے اعتماد کے ساتھ واپس جا کر اپنی قوم کی بدیوں کو دور کریں گے۔ الحمد للہ غانا نے بڑی ہی سعادت مندی سے اس سکیم پر عمل کیا ہے اور ان کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ حیرت انگیز فائدے پہنچے ہیں۔ پس باقی دنیا کی جماعتوں کو بھی خواہ وہ مغرب کی ہوں یا مشرق کی ہوں میں یقین دلاتا ہوں کہ دعوت الی اللہ اگر آپ ڈھب سے کریں گے تو جب تک قرآن کے بیان کردہ طریق پر آنے والوں کی تربیت کا انتظام نہیں کریں گے ہوسکتا ہے کہ جو بیج آپ بوتے چلے جائیں وہ اُگ بھی جائے تو پیچھے جانور اسے چر جائیں یا پرندے کھا جائیں آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ پس یہ وہ منظّم مربوط نظام ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ جو بقیہ وقت ہے ہمارا تبلیغی سال پورا ہونے میں اس میں جماعتیں پورے زور سے کوشش کریں گی اور افراد بھی اور افراد کی ذمہ داری اس لئے اہم ہے کہ جب تک وہ اپنے اخلاق اور اعمال میں تبدیلی پیدا نہیں کریں گے جماعت میں طاقت پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ جماعت نام ہے افراد کے مجموعے کا اور جو اجتماعی حسن ہے اس میں بڑی طاقت پیدا ہو جاتی ہے مگر وہ حسین قطروں سے بن کر بنا کرتا ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین